رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پیدائش سے آغاز نبوت تک

(۳)

زید بن حارثہ کا واقعہ سب سے زیادہ جو واقعہ آپؐ کے بلند ترین اخلاق کی شہادت دیتا ہے وہ حضرت زید بن حارثہ کا ہے۔ یہ قبیلۂ کلب کے ایک شخص حارثہ بن شُرَحْبیل (یا شَراحیل) کے بیٹے تھے اور ان کی ماں سُعدیٰ بنتِ ثَعلَبہ قبیلۂ طَے کی شاخ بنی مَعن سے تھیں۔ جب یہ آٹھ سال کے بچے تھے اس وقت ان کی ماں انہیں اپنے میکے لے کر گئیں۔ وہاں بنی قَین بن جَسر کے لوگوں نے ان کے پڑاؤ پر حملہ کیا اور لوٹ مار کے ساتھ جن آدمیوں کو وہ پکڑ لے گئے ان میں حضرت زیدؓ بھی تھے۔ پھر اُنہوں نے طائف کے قریب عُکاظ کے میلے میں لے جا کر ان کو بیچ دیا۔ خریدنے والے حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام تھے۔ انہوں نے مکہ لا کر اپنی پھوپھی صاحبہ کی خدمت میں انہیں نذر کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب حضرت خدیجہؓ کا نکاح ہوا تو حضورؐ نے ان کے ہاں زیدؓ کو دیکھا اور ان کی عادات و اطوار آپؐ کو اس قدر پسند آئیں کہ آپؐ نے انہیں حضرت خدیجہؓ سے مانگ لیا۔ اس طرح یہ خوش قسمت لڑکا اُس خیر الخلائق ہستی کی خدمت میں پہنچ گیا جسے چند سال بعد اللہ تعالیٰ نبی بنانے والا تھا۔ اس وقت حضرت زید کی عمر ۱۵ سال تھی۔ کچھ مدت بعد ان کے باپ اور چچا کو پتہ چلا کہ ہمارا بچہ مکہ میں ہے۔ وہ انہیں تلاش کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور عرض کیا کہ آپؐ جو فدیہ چاہیں ہم دینے کے لیے تیار ہیں، آپ ہمارا بچہ ہمیں دے دیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں لڑکے کو بلاتا ہوں اور اسی کی مرضی پر چھوڑے دیتا ہوں کہ وہ تمہارے پاس جانا چاہتا ہے یا میرے پاس رہنا پسند کرتا ہے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے گا تو میں کوئی فدیہ نہ لوں گا اور اسے یوں ہی چھوڑ دوں گا۔ لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ جو شخص میرے پاس رہنا چاہتا ہو اسے خواہ مخواہ نکال دوں۔ انہوں نے کہا یہ تو آپ نے انصاف سے بھی بڑھ کر درست بات فرمائی ہے۔ آپؐ بچے کو بلا کر پوچھ

لیجیے۔ حضورؐ نے زیدؓ کو بلایا اور ان سے کہا اِن دونوں صاحبوں کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا "جی ہاں، یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا"۔ آپؐ نے فرمایا "اچھا تم ان کو بھی جانتے ہو اور مجھے بھی۔ اب تمہیں پوری آزادی ہے، چاہو تو ان کے ساتھ چلے جاؤ اور چاہو تو میرے ساتھ رہو"۔ انہوں نے جواب دیا "میں آپؐ کو چھوڑ کر کسی کے پاس نہیں جانا چاہتا"۔ ان کے باپ اور چچا نے کہا "زید، کیا تو آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتا ہے اور اپنے ماں باپ اور خاندان کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا چاہتا ہے؟" انہوں نے جواب دیا کہ "میں نے اس شخص کے جو اوصاف دیکھے ہیں ان کا تجربہ کر لینے کے بعد اب میں دنیا میں کسی کو بھی اس پر ترجیح نہیں دے سکتا"۔ زیدؓ کا یہ جواب سن کر ان کے باپ اور چچا بخوشی راضی ہو گئے۔ حضورؐ نے اُسی وقت زیدؓ کو آزاد کر دیا اور حرم میں جا کر قریش کے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ "آپ سب لوگ گواہ رہیں، آج سے زید میرا بیٹا ہے، یہ مجھ سے وراثت پائے گا اور میں اِس سے"۔ اسی بنا پر لوگ ان کو زیدؓ بن محمدؐ کہنے لگے۔ یہ سب واقعات نبوت سے پہلے کے ہیں۔ حضورؐ جب منصب نبوت پر سرفراز ہوئے اُس وقت حضرت زیدؓ کو آپؐ کی خدمت میں رہتے ہوئے ۱۵ سال گزر چکے تھے اور ایمان لانے کے وقت اُن کی عمر ۳۰ سال تھی۔

(تفہیم القرآن، جلد چہارم، الاحزاب، حاشیہ ۶۸)

حضرت علیؓ حضورؐ کی سرپرستی میں اِس زمانہ میں حضورؐ نے اپنے چچا ابو طالب کے اُن احسانات کو بھی یاد رکھا جو بچپن سے جوانی تک انہوں نے آپ پر کیے تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جب مکہ اور اس کے اطراف میں شدید گرانی رونما تھی، آپؐ کو خیال آیا کہ میرے چچا کی مالی حالت کمزور ہے اور وہ کثیر العیال آدمی ہیں۔ ان کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔ چنانچہ آپ اپنے دوسرے چچا حضرت عباسؓ کے پاس گئے جو مالدار آدمی تھے اور ان سے کہا کہ "آپ کے بھائی کا کنبہ بڑا ہے، مالی حالت اچھی نہیں ہے، اور لوگ جس شدید گرانی کی حالت میں مبتلا ہیں وہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ چلیے، ہم ان کا بار ہلکا کرنے کے لیے ان سے بات کریں اور ان کے ایک بیٹے کو آپ اپنی کفالت میں لے لیں اور ایک کو میں لیے لیتا ہوں"۔ حضرت عباس اس بات پر راضی ہو گئے اور دونوں چچا بھتیجوں نے ابو طالب کے پاس جا کر مدعا بیان کیا۔ انہوں نے کہا "عُقیل اور (بقول ابن ہشام) طالب کو میرے لیے چھوڑ دو، باقی جس کو تم میں سے جو لینا چاہے لے لے"۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو اپنے ہاں لے گئے اور حضرت عباسؓ نے حضرت جعفرؓ کو لے لیا۔ حضرت علی ان میں سب سے چھوٹے تھے۔ حضرت جعفر اُن سے دس برس بڑے، حضرت عقیل ان سے دس برس بڑے اور

طالب اُن سے بھی دس برس بڑے تھے۔ ان کے علاوہ ابو طالب کے دوسرے بچے بھی تھے۔

اس طرح حضرت علی بچپن ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں آ گئے تھے اور حضورؐ نے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو اپنی اولاد کی طرح پالا تھا۔ اغلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی عمر اس وقت ۴-۵ برس سے زیادہ نہ تھی۔

کعبہ کی تعمیرِ نو

حضورؐ ۳۵ سال کے تھے اور نبوت میں ابھی پانچ سال باقی تھے کہ قریش نے کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ اس کی عمارت بہت بوسیدہ ہو گئی تھی، دیواریں بھی نیچی تھیں، اور اوپر کوئی چھت بھی نہ تھی۔ کعبہ کا خزانہ اُس وقت ایک کنویں میں تھا جو عمارت کے اندر بنا ہوا تھا۔ بعض لوگ دیواریں پھاند کر وہاں پہنچ جاتے اور چوری کر لیتے تھے۔ چنانچہ تعمیرِ جدید کا فیصلہ ہونے سے پہلے ایک شخص دُوَیک نے کعبہ کا مال چرا لیا تھا، یا چوروں نے مال لے کر دُوَیک کے پاس رکھوا دیا تھا اور اُسی کے پاس سے وہ برآمد ہوا تھا۔ ان وجوہ سے قریش کے لوگ چاہتے تھے کہ بلند اور پختہ عمارت بنا کر اوپر چھت ڈال دیں۔ اسی زمانہ میں ایک رومی تاجر کے جہاز کو سمندر کی موجوں اور طوفانی ہواؤں نے بقولِ ابن اسحاق جُدّہ کے بندرگاہ پر، اور بقول ابن سعد شُعَیبہ پر (جو جُدّہ سے پہلے حجاز کا بندرگاہ تھا) لا کر پٹخ دیا جس سے اس کے ٹکڑے اڑ گئے۔ اُس میں باقُوم نامی ایک رومی معمار بھی تھا، اور مکہ میں ایک قبطی نجّار لکڑی کا کام کرنے کے لیے بھی موجود تھا۔ جہاز ٹوٹنے کی خبر سن کر وَلید بن مُغیرہ قریش کے چند آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچا اور جہاز کی لکڑیاں خرید لیں۔ باقُوم سے بات چیت کر کے ان لوگوں نے اس کو بھی راضی کر لیا کہ تعمیرِ کعبہ کا کام وہ انجام دے۔ اس کے بعد بنی مخزوم میں سے ایک شخص ابو وَہب بن عَمرو بن عائِذ (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا ماموں تھا) اٹھا اور اس نے کعبہ کا ایک پتھر نکال کر اس کی جگہ واپس رکھا اور پھر قریش کے لوگوں کو خطاب کر کے کہا "اے قریش کے لوگو، اس کی تعمیر میں اپنی حلال کی کمائی لگاؤ۔ اس میں زناکاری کی کمائی، سود کی کمائی، یا کسی شخص پر ظلم کر کے حاصل کی ہوئی کمائی داخل نہ ہونے پائے"۔ ایک اور روایت میں اس کے الفاظ یہ ہیں کہ "اس گھر کی تعمیر میں کوئی ایسا مال نہ لگاؤ جو تم نے غصب کر کے، یا قطع رحمی کر کے، یا کسی ذمہ کو جو تمہارے اور کسی دوسرے انسان کے درمیان ہو توڑ کر حاصل کیا ہو"[۵]۔ لیکن قریش کے لوگ کعبہ کو منہدم

[۵] یہ ابن اسحاق کا بیان ہے۔ موسیٰ بن عُقبہ نے مغازی میں اسے ولید بن مُغیرہ کا قول لکھا ہے۔

کرتے ہوئے ڈر رہے تھے۔ آخر کار ولید بن مُغیرہ نے سابق عمارت کو ڈھانے کے لیے کدال ہاتھ میں لی اور کہا" اے اللہ، ہم دین سے منحرف نہیں ہوئے ہیں۔ ہم خیر کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے"، یعنی کسی بری نیت سے تیرے گھر کو نہیں ڈھا رہے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے کعبہ کے ایک حصہ پر ضرب لگائی اور پھر رک گیا۔ رات بھر سب لوگ اس انتظار میں رہے کہ ولید پر کوئی آفت آتی ہے یا نہیں۔ اگر آفت آجائے تو ہم کام روک دیں گے اور جو پتھر اکھڑا ہے اسے اسی کی جگہ پر لگا دیں گے۔ اور اگر کوئی آفت نہ آئے تو کام جاری رکھیں گے۔ صبح جب ولید پر اس فعل کا کوئی وبال نہ پڑا تو عمارت کو منہدم کرنے کا کام مختلف سمتوں سے مختلف قبیلوں نے اپنے ذمہ لیا اور بنائے ابراہیمی کی بنیاد تک دیواریں توڑ دی گئیں۔ پھر سارے قبیلوں کے لوگ پتھر اٹھا اٹھا کر لانے اور عمارت تعمیر کرنے میں شریک ہوئے۔ جب اُس مقام تک پہنچ گئے جہاں حجرِ اسود نصب کیا جانا تھا تو ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسے حاصل ہو۔ اس پر اتنا جھگڑا ہوا کہ آپس میں لڑائی تک کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ چار پانچ روز یہی جھگڑا چلتا رہا۔ آخر ایک روز حرم میں سب مشورہ کے لیے جمع ہوئے۔ بنی مخزوم میں سے ایک شخص ابواُمیّہ بن المُغیرہ نے، جو اُس وقت قریش میں سب سے زیادہ سن رسیدہ تھا، اٹھ کر تجویز پیش کی کہ" اے قریش کے لوگو، اپنے اس اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لیے اِس بات پر اتفاق کر لو کہ سب سے پہلے جو شخص اس مسجد کے دروازے[1] سے داخل ہو وہ اس کا فیصلہ کر دے"۔ اس تجویز کو سب نے مان لیا۔ اب خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ سب سے پہلے داخل ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی کہا هٰذا الامینُ، رَضِینا، هٰذا محمد" یہ امین ہیں، ہم راضی ہو گئے۔ یہ تو محمدؐ ہیں"۔ مُسند احمد کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی کہا اَتاکم الامین" تمہارے پاس امین آگیا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ اب اس قضیہ کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے تو آپ نے فرمایا ایک کپڑا لاؤ۔ لوگ کپڑا لے آئے۔ آپ نے حجرِ اسود کو اس کپڑے پر رکھ دیا۔ پھر فرمایا ہر قبیلہ ایک ایک طرف سے اس کپڑے کو پکڑے اور سب مل کر حجرِ اسود کو اٹھائیں۔ جب پتھر اس مقام تک پہنچ گیا جہاں اس کو لگانا تھا تو آپ نے اسے اپنے ہاتھ سے وہاں لگا دیا۔

---

[1] دروازے سے مراد بابِ بنی شَیبہ ہے۔ ایک روایت میں اس کا قول یہ ہے کہ جو شخص سب سے پہلے بابُ الصّفا سے داخل ہو وہ اس کا فیصلہ کرے۔

یہ نبوت سے صرف پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اُس وقت ساری قوم نے بالاتفاق حضورؐ کے امین ہونے کی شہادت دی تھی۔ اور ساری قوم نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ آپ کس قدر دانشمند انسان ہیں کہ اِتنے خطرناک قضیے کو بہترین طریقے سے حل کر کے آپ نے اپنی قوم کو خانہ جنگی سے بچا لیا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ صرف یہی ایک موقع نہ تھا جبکہ حضورؐ نے قریش کے ایک قضیے کا فیصلہ کیا ہو بلکہ نبوت سے قبل اکثر لوگ اپنے معاملات کا تصفیہ کرانے کے لیے آپ سے رجوع کرتے تھے۔

نبوت سے پہلے حضورؐ کو قریب سے جاننے والے

نبوت سے قبل جن لوگوں کو سب سے زیادہ قریب سے آپ کی زندگی دیکھنے اور آپ کے حالات جاننے کا موقع ملا تھا اُن میں کچھ تو آپ کے اپنے گھر کے لوگ تھے، یعنی حضرت خدیجہؓ جو ۱۵ سال سے آپ کی زوجۂ محترمہ تھیں، حضرت علی جنھوں نے بچپن سے آپ کے گھر میں پرورش پائی تھی، حضرت زید بن حارثہ جنھوں نے ماں باپ کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ رہنا قبول کیا تھا اور آپ نے ان کو بیٹا بنا لیا تھا۔ اور حضرت اُم اَیمن، جنھوں نے بچپن سے آپ کو پالا تھا اور گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے ہمیشہ آپ کے ساتھ رہی تھیں، جنھیں حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ "میری ماں کے بعد یہ میری ماں ہیں"، اور جن کو آپ یا اُمّہ (اے میری ماں)، کہہ کر خطاب فرماتے تھے۔ اِن کے علاوہ گھر سے باہر کے متعدد اصحاب ایسے تھے جنھیں آپ کی ہم نشینی کا شرف حاصل تھا اور جو ایک مدت سے آپ کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے۔

ان میں سب سے زیادہ آپ کے قریبی دوست حضرت ابوبکرؓ تھے۔ جاہلیت کے زمانہ میں بڑے ذی وجاہت اور روڑ ساتے قوم میں سے ایک رئیس تھے۔ تجارت ان کا پیشہ تھا۔ اپنے اخلاق کی وجہ سے لوگوں میں بہت مقبول تھے۔ وہ اُن لوگوں میں سے تھے جنھوں نے جاہلیت میں بھی کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگایا تھا۔ قریش نے دِیَت کے معاملات ان کے سپرد کر رکھے تھے، جس دِیَت کا بار وہ قبول کر لیتے، سارا قبیلہ اسے اٹھانے پر راضی ہو جاتا اور جس بار کو کوئی دوسرا قبول کرتا تو لوگ اس کی توثیق سے انکار کر دیتے تھے۔ انساب کے معاملہ میں بھی قریش کے لوگ سب سے زیادہ ان کے علم پر اعتماد کرتے تھے۔ ان کا جو اخلاقی اثر نہ صرف قریش میں، بلکہ آس پاس کے قبائل تک میں تھا اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ جب مکہ میں مسلمانوں پر مظالم کی انتہا ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ بھی ہجرت کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ ایک دن یا دو دن کی مسافت طے کی تھی کہ اَحابیش[۵] کا سردار ابن الدُّغُنَّہ راستے میں ملا۔ اس نے پوچھا ابوبکرؓ، تم کہاں جا رہے ہو؟

[۵] احابیش تین قبیلوں کا مجموعہ تھا جن میں بنو الحارث بن عبد مناۃ بن کنانہ۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

انہوں نے کہا "میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، سخت اذیتیں دی ہیں اور میری زندگی تنگ کر دی ہے" اس نے کہا "کیوں؟ خدا کی قسم تم تو معاشرہ کی زینت ہو، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہو، نیک کام کرتے ہو، غریبوں کی مدد کرتے ہو۔ چلو، میں تم کو پناہ دیتا ہوں" پھر وہ انہیں لے کر مکہ میں آیا اور اس نے اعلان کیا کہ "میں نے ابن ابی قحافہ کو اپنی پناہ دی ہے۔ اب کوئی ان سے بھلائی کے سوا کسی اور طرح تعرض نہ کرے"

دوسرے صاحب حضرت صُہَیب بن سِنانِ رومی تھے۔ اصل میں بنی نَمِر بن قاسِط میں سے تھے جن کا علاقہ ایران کی حکومت میں موصل کے قریب واقع تھا۔ بچپن میں روم و ایران کی ایک لڑائی کے موقع پر گرفتار ہوئے اور ایک مدت تک رومیوں کی غلامی میں رہنے کے بعد فروخت ہوتے ہوتے مکہ پہنچے جہاں عبداللہ بن جُدعان نے ان کو خرید لیا۔ ابن جُدعان چونکہ حضرت ابوبکر کا قریبی رشتہ دار تھا اس لیے ان کے توسط سے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعارف ہوئے اور آپؐ سے مانوس ہو کر اکثر آپؐ کی صحبت میں بیٹھنے لگے۔ ان کا مرتبہ یہ تھا کہ جب حضرت عمرؓ کی وفات ہونے لگی تو انہوں نے وصیت کی کہ جب تک شوریٰ کسی ایک خلیفہ پر متفق نہ ہو جائے یہی مسجد نبوی میں نماز پڑھاتے رہیں۔

تیسرے حضرت عمّار بن یاسر تھے جن کا اپنا قول بَیہقی نے نقل کیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کا حال مجھ سے زیادہ اور کون جانتا ہے۔ میں آپ کا ہم نشین، دوست، اور آپ سے بہت مالوف تھا۔ حضرت صُہیب اور یہ ایک ساتھ ایمان لائے۔

چوتھے ضِمَاد الاَزدی، اَزدِ شَنُوءَ ہ میں سے تھے جو زمانہ جاہلیت میں حضورؐ کے دوست تھے۔

پھر کچھ لوگ وہ تھے جو قریبی رشتہ داری کی وجہ سے آپؐ کو خوب جانتے تھے اور جن سے آپؐ کی زندگی کا کوئی پہلو چھپا ہوا نہ تھا۔ مثلاً حضرت عثمانؓ بن عفان، جو آپ کی پھوپھی ام حکیم البَیضاء کے نواسے تھے۔ حضرت زُبیرؓ بن العوّام، جو آپ کی پھوپھی حضرت صَفیہؓ کے بیٹے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بنی الحُون بن خُزَیمَہ بن مُدرِکہ، اور خُزاعہ میں سے بنو المُصطَلِق شامل تھے۔ انہوں نے مل کر مکہ کے زیریں علاقہ میں اُحبُش نامی ایک وادی کے اندر باہم دوستی اور امداد باہمی کا معاہدہ کیا تھا، اس وجہ سے یہ اَحابِیش کہلاتے تھے۔

اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عُمیرؓ بن ابی وقاص جو حضورؐ کی والدہ ماجدہ کے رشتہ دار تھے۔ حضرت ابو سلمہ جو آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے اور دودھ شریک بھائی بھی۔ حضرت عبداللہؓ بن جحش جو آپؐ کی پھوپھی اُمیمہ کے بیٹے تھے۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب جو آپ کے چچا زاد بھائی تھے۔

یہ لوگ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں اور ان کا اسلام لانا یہ معنی رکھتا ہے کہ حضورؐ کی زندگی کو قریب سے دیکھ کر ان کے دلوں پر آپؐ کے فضائلِ اخلاق کا نقش پہلے ہی اس طرح ثبت ہو چکا تھا کہ انھیں آپؐ کو اللہ کا رسول تسلیم کر لینے میں کوئی تامّل نہ ہوا۔ اس ایمان کو رشتہ داری یا دوستی یا ذاتی محبت پر محمول نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اِن چیزوں کی بنا پر کوئی شخص کسی کی خاطر اپنا دین تبدیل نہیں کیا کرتا۔

حلیۂ شریف زمانۂ قبل نبوت کے حالات کو ختم کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا حُلیۂ شریف بھی بیان کر دیا جائے، کیونکہ آدمی کی شخصیت سے اس کے حلیے کا بھی گہرا تعلق ہوتا ہے۔ بخاری، مسلم، مُسند احمد، ترمذی، نسائی، بیہقی، حاکم، دارقُطنی وغیرہ کتبِ حدیث میں حضرت علیؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ، حضرت براءؓ بن عازب، حضرت جابرؓ بن سمرہ، حضرت ابنِ عمرؓ، حضرت عبداللہؓ بن بُسر، حضرت ہندؓ بن ابی ہالہ اور بعض دوسرے صحابۂ کرام سے اس سلسلہ میں جو روایات آئی ہیں، ان کو جمع کر کے ہم مجموعی طور پر آپؐ کا حلیۂ مبارک یہاں بیان کرتے ہیں۔

آپؐ کا قد نہ بہت لمبا تھا نہ ٹھگنا، بلکہ متوسط قامت سے کچھ نکلتا ہوا تھا، اور کسی مجمع میں آپؐ ہوتے تو نمایاں نظر آتے تھے۔ چہرہ نہ لمبوترا تھا نہ بالکل گول، بلکہ کچھ گولائی لیے ہوئے تھا۔ رنگ نہ گندمی تھا نہ سرخ، نہ بالکل سفید، بلکہ گورا سرخی مائل اور روشن تھا۔ سر بڑا تھا۔ سینہ چوڑا تھا اور دونوں شانوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ جسم گٹھا ہوا تھا مگر موٹا نہ تھا۔ جوڑ بند بہت مضبوط تھے۔ بازو بھرے ہوئے اور پنڈلیاں جسم سے متناسب تھیں۔ بازوؤں اور پنڈلیوں پر ہلکے ہلکے بال تھے، باقی جسم بالوں سے صاف تھا اور سینے پر بالوں کی ایک لکیر سی ناف تک جاتی تھی۔ سر اور ڈاڑھی کے بال گھنے تھے۔ بالوں میں نہ حبشیوں کی طرح گھونگریالا پن تھا، نہ بالکل سیدھے تھے، بلکہ ہلکا سا گھونگر تھا۔ آخر عمر تک سر اور ڈاڑھی میں مشکل سے ۲۰ بال سفید ہوئے تھے اور وہ بھی اس وقت نمایاں ہوتے تھے جب آپ نے تیل نہ لگایا ہوتا تھا۔ سر کے بال کبھی نصف کان تک، کبھی کان کی لَو تک اور کبھی اس سے بھی نیچے

تک لمبے رکھتے تھے۔ آنکھیں بڑی بڑی اور بہت خوبصورت تھیں، سرمہ لگائے بغیر بھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سرمہ لگائے ہوئے ہیں۔ آنکھوں کے ڈھیلوں میں ہلکے ہلکے سرخ ڈورے سے تھے۔ پلکیں گھنی اور لمبی تھیں۔ بھویں ایک دوسری سے الگ تھیں، ملی ہوئی نہ تھیں۔ منہ کشادہ تھا۔ عربوں میں اسی کو خوبصورتی سمجھا جاتا تھا اور چھوٹے منہ کو پسند نہ کیا جاتا تھا۔ ایڑیاں ہلکی تھیں اور ہاتھ پاؤں کی انگلیاں لمبی اور بھاری تھیں۔ پاؤں کی بیچ کی انگلی انگوٹھے سے کچھ نکلتی ہوئی تھی۔ ہتھیلیاں اور تلوے بھرے بھرے تھے۔ پہلی نظر میں جو دیکھتا مرعوب ہو جاتا تھا، مگر جس قدر آپ سے قریب ہوتا اتنا ہی آپ کی نرم مزاجی اور حسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر آپ سے مالوف ہوتا جاتا تھا۔ چلتے تھے تو قدم جما کر اس طرح چلتے تھے جیسے گہرائی میں اتر رہے ہوں یا چڑھائی پر چڑھ رہے ہوں۔ کسی طرف ملتفت ہوتے تو پوری طرح ہوتے اور کسی طرف سے رخ پھیرتے تو پوری طرح پھیرتے تھے، دُزدیدہ نگاہوں سے دیکھنے یا صرف گردن موڑ کر دیکھنے کی عادت نہ تھی۔ چہرے پر تبسم طاری رہتا۔ کبھی ہنستے تو ٹھٹھا مار کر نہ ہنستے تھے۔ جسمانی طاقت کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ رُکانہ نے جو قریش کا سب سے زیادہ طاقت ور پہلوان سمجھا جاتا تھا آپؐ سے کشتی لڑی اور آپؐ نے اسے پچھاڑ کر بے بس کر دیا۔ وہ پھر اٹھ کر مقابلہ پر آیا۔ آپؐ نے پھر اسے پچھاڑ دیا۔ اس نے کہا "اے محمدؐ، تعجب ہے، تم مجھے پچھاڑ دیتے ہو"۔ اُس کا مطلب یہ تھا کہ آپؐ نے نہ کبھی ورزشیں کیں نہ پہلوانی کی، پھر بھی آپؐ نے اسے دو دفعہ پچھاڑ کر حیران کر دیا (بعد میں یہ صاحب بھی مسلمان ہو گئے، رضی اللہ عنہ)۔ حضورؐ کے لڑکپن کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن جُدعان کے ہاں ایک دعوت کے موقع پر ابوجہل آپؐ سے اُلجھ پڑا۔ وہ بھی تقریباً آپؐ کے برابر ہی کا لڑکا تھا۔ آپؐ نے اٹھا کر اسے اس طرح پٹخا کہ اس کا گھٹنا زخمی ہو گیا اور اس زخم کا اثر عمر بھر اس کے گھٹنے پہ باقی رہا۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ جنگ بدر میں جب ابوجہل مارا گیا تو حضورؐ نے فرمایا اس کی لاش مقتولوں میں تلاش کی جائے اور اس کے گھٹنے کو دیکھا جائے، اس پر ایک زخم کا نشان ہوگا چنانچہ جب اس کی لاش ملی تو نشان وہاں موجود تھا۔ پھر آپ نے خود یہ قصہ بیان فرمایا کہ اسے یہ زخم کیسے لگا تھا۔

اِس تفصیل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضورؐ صرف حسن اخلاق ہی کا مجسمہ نہ تھے بلکہ مردانہ حسن اور جوانمردی کا بھی بہترین نمونہ تھے۔ (اضافہ از مؤلف)